الیف اے-2007-002

22 جون 2007ء

پاکستان: عدالتوں میں نئی جان پڑ گئی

تحریر:- بصیر نوید

پاکستان کی مطلق العنان حکومت نے مارچ میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار چوہدری کو معطل کر دیا تھا جس کے بعد وکلاء برادری فوجی حکمرانوں کے خلاف کھلی بغاوت پر اتر آئی ہے۔ عدلیہ بھی جس نے پاکستان کی تاریخ میں بیشتر وقت غیر منتخب حکام کو روکنے کیلئے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا تھا حالیہ دنوں میں اپنی حیثیت منوانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اب تک کی صورتحال سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت وکلاء برادری کے احتجاج پر قابو پانے میں ناکام رہی ہے۔

چیف جسٹس افتخار چوہدری کے خلاف فوجی حکومت کی کارروائی کے سبب ملک میں ایک ایسا بحران پیدا ہو گیا ہے جس کی اس سے قبل کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی میں فوج اور عدلیہ ہمیشہ اچھے دوست ہی نہیں رہے بلکہ عوام کی جمہوری امنگوں کو مایوسی میں تبدیل کرنے کیلئے متحد بھی تھے۔ جج صاحبان عام طور پر قانون کی حکمرانی کے بجائے مسلح افواج کے مفادات کے محافظ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ ماضی میں صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سپریم کورٹ نے ایک فوجی آمر کو غاصب قرار دیا لیکن یہ بھی 1971ء میں اس وقت ہوا جب مذکورہ بالا فوجی آمر ایک سال قبل انتقال کے باعث راستے سے ہٹ چکا تھا۔

پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کو کبھی آزادانہ طور پر کام کرنے کی اجازت ہی نہیں دی گئی۔ عدلیہ کا کردار اس حقیقت کی بنا پر بھی زیادہ موثر نہیں رہا کہ اس پر کام کا بوجھ بے انتہا زیادہ ہوتا ہے۔ آج بھی صرف سپریم کورٹ میں 20 ہزار سے زیادہ مقدمات زیر التوا ہیں۔ ماتحت عدالتوں میں مقدمات کے فیصلے عموماً پانچ سے چھ سال میں ہوتے ہیں جبکہ اپیلوں کی سماعت 20،20 سال چلتی ہے مزید یہ کہ پاکستان کا دہرا عدالتی نظام ایک سیکولر عدلیہ اور دوسری اسلامی عدالتیں بھی ایک بڑا مسئلہ ہیں۔ قتل، زنا اور اس نوعیت کے دیگر سنگین جرائم سے متعلق مقدمات میں شرعی عدالتیں اکثر و بیشتر ایسے فیصلے صادر کر دیتی ہیں کہ انہیں تبدیل کرنا سیکولر عدالتوں کیلئے مشکل ہو جاتا ہے۔

ایک طویل عرصے سے پاکستان کی سیکولر عدلیہ ایک مردہ اور بے معنی ادارہ بن کر رہ گئی ہے۔ یہ عدالتیں اس قدر غیر موثر ہیں کہ فوجی رہنما جب کبھی دیگر اداروں کی حالت درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں عدلیہ پر توجہ دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔ عدلیہ عام طور پر غیر منتخب حکومتوں کو نظریہ ضرورت کے تحت اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی اجازت دیدیتی ہے یہی وجہ ہے کہ فوج یا نوکر شاہی نے حقیقت میں کبھی یہ محسوس ہی نہیں کیا کہ ملک کا آئین یا کوئی اور قانون انہیں کوئی کام کرنے سے روک سکتا ہے۔ ایسے جج صاحبان کا جو فوج یا نوکر شاہی کے فیصلوں کی مخالفت کرنے کی جرات کریں فوری طور پر دوسری عدالتوں میں تبادلہ کر دیا جاتا ہے یا پھر وہ روزگار سے ہی محروم

کر دیئے جاتے ہیں۔کئی واقعات ایسے بھی ہوئے کہ اس قسم کے جج صاحبان کے اہل خانہ کو دھمکیاں دی گئیں لیکن یہ بات خوش آئند ہے کہ اس انداز میں ڈرانے دھمکانے کی کوششیں آج کل کارگر ثابت نہیں ہو رہیں اور پاکستان میں عدلیہ کی آزادی اور قانون کی حکمرانی کیلئے ایک وسیع البنیاد عوامی تحریک نظر آ رہی ہے۔صورتحال کشیدہ ہے اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ کونسی قوت کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔یہ خدشات اس لئے ذہن میں آتے ہیں کہ صرف 12 مئی کو ریاست کی سرپرستی میں تشدد کے سبب کراچی میں 51 افراد اس وقت ہلاک ہو گئے جب پولیس،فوج اور مقامی انتظامیہ نے ایک دوسرے سے تعاون کر کے چیف جسٹس کی ریلی کو ناممکن بنا دیا تھا۔

عدلیہ کی آزادی کیلئے عوامی تحریک مارچ میں اس وقت پوری قوت سے شروع ہوئی جب اکتوبر 1999ء سے اقتدار پر قابض صدر جنرل پرویز مشرف نے چیف جسٹس افتخار چوہدری کو ان کے عہدے سے معطل کر دیا۔چیف جسٹس کو آرمی ہاؤس طلب کیا گیا،ان کے ساتھ بدسلوکی کی گئی،انہیں کئی گھنٹے تک حراست میں رکھا گیا اور ایک عبوری چیف جسٹس سے حلف اٹھوالیا گیا۔یوں تو ماضی میں بھی فوجی رہنما کئی جج صاحبان کی ذاتی طور پر تذلیل کرتے رہے تھے لیکن اس مرتبہ چیف جسٹس کے خلاف جنرل پرویز مشرف کی کارروائی کو بحیثیت مجموعی قانونی پیشے کی تذلیل اور توہین کے طور پر دیکھا گیا جس کی بنا پر وکلا نے فوری طور سے تحریک شروع کر دی جس کے دوران عدالتوں کا بائیکاٹ کرنے کے ساتھ احتجاجی ریلیاں بھی نکالی جا رہی ہیں۔وکلاء کی اس تحریک کو مختلف سیاسی جماعتوں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کی حمایت بھی حاصل ہے۔

چیف جسٹس افتخار چوہدری نے جو درحقیقت خود اعتمادی سے بھرپور شخصیت کے حامل قانون داں ہیں غیر معمولی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے بعض قابل ذکر فیصلے صادر کئے۔مثال کے طور پر انہوں نے ملک کی اعلیٰ ترین عدالت یعنی سپریم کورٹ میں انسانی حقوق سیل قائم کیا۔سپریم کورٹ نے انہی کے دور میں سرکاری اداروں کی نجکاری سے متعلق مقدمات میں انتہائی اعلیٰ سرکاری افسروں اور زمینوں پر قبضے کے مقدمات میں سول و فوجی حکام کے خلاف فیصلے سنائے۔پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے بھی بھارتی عدلیہ کی پیروی کرتے ہوئے عوامی مفاد کے معاملات کا از خود نوٹس لے کر مقدمات کی سماعت شروع کی (Baxi, 2004) دوسرے الفاظ میں ججوں کی توجہ جب بھی کسی سرکاری ادارے کی جانب سے قانون کی خلاف ورزی کی طرف مبذول کرائی گئی انہوں نے اپنے طور پر کارروائی شروع کر دی۔

سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ سپریم کورٹ نے لاپتہ افراد کے معاملات کا جائزہ لینا شروع کیا۔یہ ایسے لوگ تھے جنہیں قانون نافذ کرنے والے اداروں نے گرفتار کیا لیکن بعد میں وہ لاپتہ ہو گئے جبکہ قانون نافذ کرنے والے ادارے ان کے بارے میں کسی قسم کی معلومات فراہم کرنے کو تیار نہیں تھے۔خفیہ ایجنسیاں عدلیہ کی جانب سے اس قسم کی مداخلت کے باعث خاص طور سے پریشان تھیں جبکہ دوسری جانب پاکستان کے وکلاء اس نئے رجحان کی بے انتہا تعریف کر رہے تھے۔وکلاء کی نظر میں سپریم کورٹ کی عزت اس وقت مزید بڑھ گئی جب عدالت نے براہ راست وکلاء سے تعلق رکھنے والے تنازع کے بارے میں فیصلہ سنایا۔عدالت نے فیصلہ دیا کہ منیر ملک وکلاء کی سب سے زیادہ بااثر تنظیم سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے انتخابات میں ڈالے گئے ووٹوں کی بنیاد پر جائز طور سے بار کے صدر منتخب ہو گئے ہیں۔انتخابات کے بعد ایک ریٹائرڈ جج ملک قیوم نے جن کے جنرل پرویز مشرف کے ساتھ قریبی روابط ہیں سرکاری وکلاء کی مدد

سے غیر قانونی طور پر عہدہ سنبھال لیا تھا۔سپریم کورٹ نے بار کے اندر بغاوت کی اس کوشش کو ناکام بنا کر حکومت کو ایک واضح پیغام یہ دیا کہ اب عدلیہ آزادانہ طور پر فیصلے کر رہی ہے۔

حکومت عدلیہ کی اس انداز میں خود اعتمادی اور آزادانہ کارروائیوں کی عادی نہیں تھی۔جنرل پرویز مشرف 1999ء میں اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد عدلیہ کی خفیف سی مخالفت پر آسانی سے قابو پانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔مثال کے طور پر جنرل پرویز نے جنوری 2000ء میں پاکستان کے آئین کو معطل کر کے ایک عبوری آئینی حکم (پی سی او) متعارف کرایا اور اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کو پی سی او کے تحت حلف اٹھانے کیلئے مجبور کیا گیا۔کئی جج صاحبان نے فوج کے اس پی سی او کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں جنرل پرویز مشرف کو اپنی پسند کا نیا چیف جسٹس مقرر کرنے کا موقع مل گیا۔ان اقدامات کے بعد سپریم کورٹ نے 2000ء صرف یہی نہیں کہ فوجی بغاوت کو حق بجانب اور جائز قرار دیا بلکہ جنرل پرویز مشرف کو آئین میں ترامیم کرنے کا اختیار بھی دیدیا یہ ایسی بات تھی جس کیلئے فوجی کمان نے درخواست تک نہیں کی تھی۔

پاکستان میں صدر مملکت سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے ججوں کا تقرر سپریم جوڈیشل کونسل کی سفارش پر کرتے ہیں۔ججوں کا تقرر سیاسی ضروریات کے مطابق کیا جاتا ہے اور ماضی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جج صاحبان نے انتظامیہ کے اختیارات کے خلاف جانے کی کوشش کی ہو تاہم قانونی پیشے میں کافی طویل عرصے سے ایک تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ججوں کی ایک نئی نسل میں جو جنرل ضیا الحق کے خلاف 1983ء کی تحریک کے بعد آئی ہے ایک مثبت تبدیلی دیکھنے میں آ رہی ہے۔ان جج صاحبان میں سے کئی ایسے ہیں جو 1983ء کی تحریک بحالی جمہوریت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک رہے تھے۔اس نسل کے بیشتر جج ماضی کے مارشل لا ادوار میں ججوں کے کردار سے ناخوش تھے انہیں توقع تھی کہ جمہوری دور میں سیاسی جماعتیں عدلیہ کی آزادی اور بالادستی کی حمایت کریں گی۔1990ء کی دہائی میں جب سویلین حکومتیں پاکستان میں برسر اقتدار تھیں عدلیہ نے اپنا آئینی کردار منوانے کی کوشش کی تاہم برسر اقتدار سیاسی جماعتوں نے بھی بالکل اسی طرح عدلیہ کو دبانے کی کوشش کی جیسے اس سے قبل مطلق العنان حکومتیں کرتی رہی تھیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اگر جنرل پرویز خاموشی سے سپریم کورٹ کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے جیسا سابق فوجی حکمران کرتے تھے تو اتنا شور شرابا نہ ہوتا لیکن یہ رائے غلط ہے اگر پاکستانی عدلیہ کی تاریخ کا تجزیہ کیا جائے خصوصاً مارشل لا ادوار کے تعلق سے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وکلاء برادری میں اس وقت بھی بے انتہا بے چینی پائی جاتی تھی اور وکلاء اپنا آئینی کردار ادا کرنے کے خواہشمند تھے۔

منظر نامہ

عدلیہ کی آزادی کیلئے جاری حالیہ تحریک رکنے والی نہیں ہے۔اس حقیقت کے باوجود کہ حکومت کی جانب سے ظالمانہ کارروائیاں کی جا رہی ہیں پرامن ریلیاں منعقد ہو رہی ہیں اور عدالتوں کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے۔ذرائع ابلاغ اور متعدد سیاسی جماعتیں حکومت کے خلاف اس نئی سیکولر تحریک کی حمایت کر رہی ہیں دوسری جانب فوج بھی یقینی طور سے ذرائع ابلاغ اور عمومی طور پر سیاسی سرگرمیوں کے خلاف اقدامات پر غور کر رہی ہوگی۔ایک غیر معمولی بات یہ تھی کہ جنرل پرویز مشرف نے اب تک آزادی اظہار اور انجمن سازی کی آزادی کے

خلاف سخت اقدامات نہیں کئے تھے لیکن اب امکان ہے کہ صورتحال تبدیل ہو جائے گی۔ یہ امکان بھی نظر آتا ہے کہ حکومت عدلیہ پر مزید کچھ وقت اپنا کنٹرول برقرار رکھے گی تاہم یہ بات بہت مشکل ہے کہ وکلاء برادری میں ترقی پسند جذبے کو دبایا جا سکے۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ ایک نئی سیاسی جماعت ابھر کر سامنے آئے گی اور بعض لوگوں کو امید ہے کہ چیف جسٹس افتخار چوہدری سیاست میں داخل ہوں گے و ر ایک مضبوط رہنما بن جائیں گے۔ دوسری جانب یہ بھی ممکن ہے کہ فوجی حکومت تصادم کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے اور شاید پڑوسی ممالک پر وکلاء کو اکسانے کا الزام بھی عائد کیا جائے لیکن اس کا مقصد ملک میں ایمرجنسی یا مارشل لا نافذ کرنا ہوگا۔ ایسے وقت جب عوام ملکی مستقبل کے بارے میں شش و پنج میں مبتلا ہیں یہ بات واضح ہے کہ اگر افتخار چوہدری چیف جسٹس کی حیثیت سے بحال ہو گئے تو پھر فوج کا اقتدار میں رہنا مشکل ہو جائے گا ہر چند کہ فی الوقت ایسا ہوتا نظر نہیں آتا لیکن فوج اس وقت جتنی کمزور نظر آ رہی ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔ ملک میں صورتحال کچھ ایسی ہے کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

بصیر نوید ایشین ہیومن رائٹس کمیشن کے سنیئر محقق ہیں اور ہانگ کانگ میں قیام پذیر ہیں وہ جنوبی ایشیا کے امور کی نگرانی کرتے ہیں

baseer@ahrchk.org <mailto:baseer@ahrchk.org>

Reference:

Baxi, Upendra, 2004:
Liberation judiciary. Interview in D+C/E+C, Vol. 31, p. 326ff

(Indiens Befreiungsjustiz, Interview in E+Z/D+C, Jg. 45, So. 326ff.)

نظریہ ضرورت

قیام پاکستان کے بعد سے فوج اور نوکر شاہی کے عدلیہ کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ عدلیہ ریاست کی غیر منتخب قوتوں کو ملک کی حفاظت کے نام پر بار بار اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی اجازت دیتی رہی ہے۔ قیام پاکستان کے صرف 7 سال بعد 1954ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے پہلی آئین ساز اسمبلی کو تحلیل اور وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو برطرف کر دیا تھا۔ اس اقدام کو سندھ ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا اور عدالت نے قرار دیا کہ اسمبلی کی تحلیل غیر قانونی اور غیر آئینی ہے۔ اس فیصلے کے خلاف چیف کورٹ آف پاکستان میں جس کا نام بعد میں سپریم کورٹ کر دیا گیا اپیل داخل کی گئی اور اس عدالت نے فیصلہ دیا کہ گورنر جنرل کا اقدام بالکل صحیح ہے۔ اس وقت کے چیف جسٹس منیر نے یہ فیصلہ صادر کرنے کیلئے نام نہاد نظریہ ضرورت پیدا کیا تھا۔ اس نظریہ ضرورت کی بنیاد یہ نامعقول تصور تھا کہ ملکی حفاظت کی خاطر آئین کو نظر انداز کر دینا قانونی طور پر جائز ہے۔ اس نظریے کے مطابق فوج کوئی غلط کام نہیں کر سکتی چاہے وہ اقدام کتنا ہی غیر قانونی اور غیر آئینی کیوں نا ہو۔ اس نظریے کو اس کے بعد بھی کئی مرتبہ منتخب حکومتوں کو برطرف اور آئین کو ختم کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا رہا۔

جنرل ایوب خان نے 1958ء میں مارشل لا نافذ کر کے پارلیمنٹ تحلیل کی اور 1956ء کے آئین کو منسوخ کر دیا۔اس فوجی بغاوت کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا گیا لیکن ججوں نے آرمی جنرل ہیڈکوارٹرز میں ایک بریفنگ کے بعد فیصلہ سنایا کہ فوج نظریہ ضرورت کے تحت اقدامات کر رہی ہے۔جنرل ایوب نے تقریباً 11 سال حکومت کی جس کے دوران تمام شہری آزادیاں معطل رہیں۔

جنرل ضیا الحق نے 1970ء میں پارلیمنٹ کو تحلیل کیا اور 1973ء کے آئین کو منسوخ کر دیا۔چیف جسٹس کو جنرل ضیا کے حق میں عدالتی فیصلے کے اعلان سے قبل آرمی ہیڈکوارٹرز لے جایا گیا اور درحقیقت فیصلے کا اعلان خود جنرل ضیا کے سامنے کیا گیا۔اس فیصلے کی بنیاد بھی نظریہ ضرورت ہی تھا۔فوج نے مزید 11 سال اقتدار کے مزے اس طرح لوٹے کے عدلیہ نے کبھی اسے پریشان نہیں کیا۔

جب 12 اکتوبر 1999ء کی فوجی بغاوت کی آئینی حیثیت کا فیصلہ کرنے کا وقت آیا تب بھی سپریم کورٹ نے ایک مرتبہ پھر نظریہ ضرورت کا سہارا لیا۔اس وقت عدالت نے جنرل پرویز مشرف کو اپنی مرضی کے مطابق آئین میں ترامیم کرنے کے لامحدود اختیارات بھی دیدیئے۔پاکستان کے بعض قانونی حلقوں کا دعویٰ ہے کہ یہ فیصلہ عملی طور پر عدالت سے باہر تحریر کیا گیا اور جب یہ فیصلہ سنانے کیلئے ججوں کے حوالے کیا گیا تو ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ اسے ٹھیک سے ایک مرتبہ پڑھ لیتے۔حکومت نے اس فیصلے سے قبل سپریم کورٹ کی تشکیل میں جوڑتوڑ کیا تھا (BN)

###

اے ایچ آر سی کے بارے میں: ایشین ہیومن رائٹس کمیشن ایک علاقائی غیر سرکاری ادارہ ہے جو ایشیا میں انسانی حقوق کے مسائل پر نظر رکھتا اور رائے عامہ بیدار کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔کمیشن جس کا صدر دفتر ہانگ کانگ میں واقع ہے 1984ء میں قائم ہوا تھا۔

Asian Human Rights Commission

19/F, Go-Up Commercial Building,

998 Canton Road, Kowloon, Hongkong S.A.R.

Tel: +(852) - 2698-6339 Fax: +(852) - 2698-6367

--

Powered by PHPlist, www.phplist.com --